ابوسلمان شاہجہانپوری

گرامی مرتبت مولانا گرامی

گزشتہ سال علمی و ادبی دنیا جن حوادث سے دوچار ہوئی، ان میں ایک حادثہ ایسا بھی گزرا ہے جس کے اثرات اگرچہ اردو دنیا میں بہت کم محسوس کیے گئے لیکن یہ حادثہ ایسا نہیں تھا جس پر ہم نظر ڈالے بغیر اور قلب پر اس کا اثر لیے بغیر گزر جائیں۔ اگرچہ اس حادثے کا تعلق براہِ راست اردو دنیا سے نہ تھا لیکن ملّی اور قومی ثقافتی زندگی سے اس کا تعلق بہت گہرا تھا، اس لیے وہ حضرات جو علاقائی زبان و ادب اور ثقافت کی ہر خوبی کو اپنا لینا اور اسے اردو روایات کا ایک جزو بنا لینا چاہتے ہیں، اس حادثے کا اثر لیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان کے لیے اس واقعے سے بے نیازانہ گزر جانا ممکن ہی نہیں۔ مجھے اشاروں اور کنایوں میں بات کرنے کی بجائے صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ یہ حادثہ سندھی زبان کے مشہور ادیب اور شاعر مولانا غلام محمد گرامی مدیر مجلّہ "مہران" (سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد سندھ) کے انتقال کا سانحہ تھا۔ مولانا گرامی جن کی ذات کل تک شمعِ انجمن بنی ہوئی تھی جن کی زبان سے پھول جھڑتے تھے اور جن کا قلم افکار کے موتی بکھیرتا تھا، جو ادب و ثقافت کی ہر مجلس کی جان سمجھے جاتے تھے اور ہر بزم میں مرکزِ نگاہ و توجہ بنتے تھے وہ گزشتہ سال ۱۵ ستمبر ۱۹۷۶ء کو حیدرآباد سندھ میں انتقال فرما گئے تھے،

آج یہ سوچ کر کر اب وہ ہماری دنیا اور اس کے باسیوں سے روٹھ کر دوسرے عالم میں چلے گئے ہیں، قلم پر لرزہ طاری ہوتا ہے اور خامہ کا سینہ شق ہوتا ہے۔

پاکستان کی قومی زبان اور ثقافت چند لسانی، تہذیبی، ثقافتی خصائص، بلند افکار اور متعدد قومی روایات کے محاسن کے مجموعے کا نام ہے، یہ لسانی، تہذیبی، ثقافتی خصائص اور صرف اردو ہی کے ذریعے اسے نہیں ملے بلکہ اس میں سندھ، پنجاب، سرحد، بلوچستان، کی زبانوں اور ان کی ثقافتوں کے امتیازات اور محاسن کا بھی گراں قدر حصہ ہے۔ پاکستان میں اردو، سندھی، پنجابی، پشتو زبانوں کے اپنے اپنے امتیازات ہیں، ان کی مخصوص روایات ہیں، ان میں سے ہر زبان اور ثقافت کی روایت اور خصوصیت ہمیں عزیز ہے، ان میں سے ہر روایت اور خصوصیت قومی زبان اور ثقافت کے اجزائے ترکیبی بھی ہیں۔ ہم علاقائی زبانوں اور ان کی مخصوص ثقافتی روایت کو اس طرح بھی بیان کرسکتے ہیں کہ پاکستان کی مختلف علاقائی زبانیں اور ثقافتیں وہ ندیاں ہیں جو اپنے علاقوں میں بہتی ہیں اور اپنے اپنے دائرو میں مزرعۂ فکر و سیرت کو سیراب کرتی اور تازگی بخشتی ہیں لیکن قومی اور ملکی دائرے میں یہ صاف و شیریں پانی کی ندیاں ایک قومی جوئبار کی شکل اختیار کرلیتی ہیں، پھر اس جوئبار کی سیرابی سے قوم کا نخلِ امید سرسبز و شاداب ہوتا ہے، قومی سیرت کا نقشِ جمیل ابھرتا اور نکھرتا ہے اور اقوامِ عالم میں ایک قوم، پاکستانی قوم اپنے خصائص و محاسن اور امتیازات کے ساتھ سر اٹھاتی اور آبرو مند ہوتی ہے۔ قومی سیرت کی اس تشکیل میں، قومی مزاج کی تعمیر میں، اندازِ فکر کی تہذیب میں اور قومی ثقافت کی تخلیق میں سندھی زبان، اُس کے ادب، اُس کی ثقافت اور اس کے ادیبوں اور شاعروں کا بھی اتنا ہی اہم حصہ ہے، جتنا اُردو یا پنجابی پشتو، بلوچی زبانوں، ادبوں، ثقافتوں اور ان کے دانشوروں کا ہوسکتا ہے۔

اس لیے ہمارا اعتقاد ہے کہ مولانا غلام محمد گرامی کی شخصیت ایسی نہیں ہے جن کے انتقال کے سانحے پر ہم نظر ڈالے اور قلب پر اس کا اثر لیے بغیر گزر جائیں۔

مولانا گرامی مرحوم سندھی زبان کے مشہور ادیب و شاعر اور انشا پرداز تھے، وہ سندھ کی ایک علمی و تہذیبی شخصیت تھے۔ سندھ کی تاریخ پر ان کی نظر بہت گہری تھی،

وہ سندھ کی تہذیبی و ثقافتی روایات کے صرف منّاد و داعی نہ تھے بلکہ وہ خود اس کا حسین پیکر تھے۔ آپ افکار و نظریات میں، اندازِ فکر میں، سیرت و اخلاق میں، رہن سہن اور طرزِ بود و ماند میں ایک ایسی اسلامی شخصیت کا تصور کیجیے جو سندھ کے بہترین آب و گل سے یہاں کے مخصوص گرد و پیش میں ہزار سال کے لیل و نہار کی سیر و گردش کے بعد اسلامی فکر و تہذیب کے سانچے میں ڈھل کر نکلی ہو، مولانا غلام محمد گرامی سندھ کی ایک ایسی ہی تہذیبی شخصیت تھے۔

بلاشبہ ان کا بڑا دائرۂ قلم و تحریر اور اظہار و بیان سندھی زبان تھی لیکن جیسا کہ عرض کیا سندھی زبان و ثقافت خود قومی زبان و ثقافت کی کل ملکی تحریک کا ایک اہم عنصر ہے۔ اس لیے اس زبان کا یہ بلند پایہ اہم قلم اور صاحبِ فکر و نظر شخصیت بھی قومی، لسانی اور ثقافتی تحریک سے الگ تصور نہیں کی جاسکتی۔ اصل میں قومی سیرت کی تعمیر کے مختلف درجے ہیں اور کوئی ادیب، شاعر، اہل قلم یا علمی، تہذیبی، ثقافتی شخصیت خواہ کسی لسانی و ثقافتی اکائی سے تعلق رکھتی ہو اور خواہ وہ کسی درجے میں کام کرتی ہو، قومی تحریک میں اس کی اہمیت دوسرے سے کم نہیں ہو سکتی۔ اگر مولانا غلام محمد گرامی مرحوم سندھی زبان و ادب اور تاریخ و ثقافت کے دائرے میں اپنی بہترین دماغی اور فکری صلاحیتوں سے قومی سیرت کی تشکیلِ جدید یا ملت کے حسن قیام کے لیے کام کر رہے تھے تو وہ بھی قومی فکر و سیرت کی تعمیر اور قومی ثقافت کی تشکیل کے عظیم کام کا ایک حصہ تھا، اس لیے ان کا درجہ کسی اور زبان کے ذریعے یا کسی اور ثقافتی دائرے میں رہ کر کام کرنے والے خادمِ ملت سے کم کیوں کر ہو سکتا ہے اس لیے مولانا گرامی مرحوم کا ماتم صرف سندھی زبان کے ایک ادیب اور شاعر کا ماتم نہیں بلکہ قومی، لسانی اور ثقافتی تحریک کے ایک رہنما کا ماتم ہے، ان کا ماتم ایک شخص کے جسم و جان کا ماتم نہیں، اسلامی، سندھی تہذیب کے ایک نمونے کے آنکھوں سے اوجھل ہو جانے کا ماتم ہے۔ ہم ان کی شخصیت کے آئینے میں سندھ کے بہترین تہذیبی خصائص کا عکسِ جمیل دیکھ کر خوش ہوتے تھے، آج ہمارا سارا رنج و غم اس لیے ہے کہ وہ آئینہ ہمارے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔

مولانا غلام محمد گرامی زندگی کے مختلف نشیب و فراز سے گزرے تھے، لیکن وہ جہاں بھی اور جس حال میں بھی رہے، ارجمند رہے، جس منزل سے بھی گزرے، باوقار گزرے، ان کی فکر و سیرت زندگی کے ہر مرحلے میں اور روز بہ روز سنورتی اور نکھرتی چلی گئی۔ اگر یہ سچ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو ہم ان کی شخصیت اور سیرت کو دیکھ کر ان کے خاندان کی شرافت و نجابت کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہیں اور ان کے مزاج، فکر، اندازِ فکر اور ان کے اخلاص، انکسار، شرافت، تواضع، تقویٰ، نیکی اور پاکبازانہ زندگی کو دیکھ کر سوچتے ہیں کہ وہ ہستیاں کتنی مبارک اور برگزیدہ ہوں گی جن کی تعلیم و تربیت کا نمونہ اتنا شاندار، اور جن کی صناعی تہذیب کا نقش ایسا حسین و جمیل تھا۔

مولانا غلام محمد گرامی نے مسلمانوں کے قدیم نظامِ تعلیم کے مطابق عربی، فارسی اور اسلامی علوم و فنون کی تحصیل کی تھی اور جدید تعلیم و افکار کی راہیں ان کی ذہانت اور طباعی نے پیدا کر لی تھیں۔ قدیم علوم و فنون سے لگاؤ اور جدید تعلیم و افکار سے تعلق نے انھیں نہایت روشن خیال اور فکر و نظر میں نہایت متوازن شخصیت بنا دیا تھا۔ وہ قدیم علوم اور جدید افکار کا حسین سنگم تھے۔

جب ہم کسی شخصیت پر نظر ڈالتے ہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اس کی زندگی میں تہذیبی اقدار کیا ہیں؟ گویا کہ اس کی شخصیت کی تہذیبی حیثیت دیکھتے ہیں۔ ہم نے سب سے پہلے انھیں اسی معیار پر پرکھا۔ اور ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ان کی شخصیت کے نقشِ جمیل نے ہماری آنکھوں کو خیرہ اور ان کی شخصیت کے تہذیبی جلووں نے نگاہوں کو اسیر کر لیا لیکن صرف یہی نہیں تھا کہ وہ ایک تہذیبی شخصیت تھے اور علم و فکر و نظر کی دنیا سے ان کا کچھ تعلق نہ تھا، ان کے فکر کا پیمانہ بھی بلند تھا اور مطالعے کی دنیا بھی نہایت وسیع تھی۔ شعر و ادب، تہذیب و ثقافت، تاریخ و سیاست، فلسفہ و مذہب، کوئی گوشۂ علم و فن ایسا نہ تھا، جہاں ان کی نظر نہ پہنچی ہو اور ان کے دماغ نے معلومات اور افکار کے موتیوں سے اپنے دامن کو نہ بھر لیا ہو۔ ان کے مطالعہ و نظر کی دنیا صرف سندھی زبان کے ذخیرۂ علم و ادب تک محدود نہ تھی، بلکہ عربی، فارسی اور بالخصوص اردو زبان کا ہمہ قسم کا لٹریچر ان کی نظر سے گزر چکا

تھا، لیکن کی شخصیت کا نمایاں تہذیبی پہلو اور بلندئ افکار و وسعتِ مطالعہ بھی ان کے محاسن کی آخری حد نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں سیرت کے بہترین خصائص سے بھی نوازا تھا، اسی طرح ان کی شخصیت بہترین تہذیبی روایات و اقدار، نظر و فکر کی بلندیوں، علم و مطالعہ کی گہرائیوں اور گیرائیوں اور سیرت کے اعلیٰ محاسن کا ایک حسین و جمیل پیکر بن گئی تھی۔ آج ہم اسی مجموعۂ محاسن اور پیکرِ جمال کے ماتم گسار ہیں۔[۵]

---

۵ مولانا غلام محمد گرامی مرحوم کی شخصیت، سوانح، افکار، سیرت اور علمی و ادبی خدمات کے مطالعے کے لیے مجلہ علمی "مہران" (سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد، سندھ) کا بلندپایہ "گرامی نمبر" ملاحظہ ہو۔ صفحات ۳۵۰۔ قیمت آٹھ روپے۔ مدیر: امداد حسینی۔ نائب مدیر: اناشاد

(بقیہ شذرات)

کی طرح حکمت نظریہ کے دقیق مباحث کو لکھا ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ فلسفی طریقہ میں شیخ کے ہاں مشائی حکماء کی متابعت میں جو جمود پایا جاتا ہے علامہ قطب الدین شیرازی نے اس جمود کو توڑا اور اشراقی حکماء کے ذوق کو اختیار کیا۔ کتاب کے تیسرے حصے میں حکمت عملی پر مبسوط بحث کی ہے یہ کتاب درة التاج درحقیقت ایک دائرة المعارف ہے۔ اس کے شروع میں علم کی فضیلت اور پڑھنے پڑھانے کی مزیت سے بحث ہے۔ آخر میں ایک فصل موسیقی کے متعلق ہے۔ علامہ کو ملا قطب بھی کہا جاتا ہے علامہ شیرازی کی آمدنی کافی تھی لیکن وہ سب شاگردوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں مشہور تاج الدین علی تبریزی، قطب الدین محمد، نظام الدین نیشاپوری، کمال الدین حسن فارسی ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے دور کا یگانہ گزرا ہے۔ علامہ شیرازی خشک مزاج نہ تھے بلکہ بذلہ گو اور شاعر تھے۔ رباب بجانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے، شطرنج میں تو کوئی آپ کا ثانی نہ تھا۔ شرح مفتاح السکاکی، شرح حکمة الاشراق للسہروردی، شرح کلیات قانون، رسالہ برص، التحفة الشاہیة فی الہیئة آپ کی مشہور تالیف ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمةً واسعةً